بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا نظام عدل

جمع وترتیب

محمد عبید اللہ خان قاسمی

بزم خطباء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ:

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ ۚ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ (النحل:۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ مالی اعانت کا حکم دیتے ہیں، بے حیائی، بری بات اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، تم کو نصیحت فرماتے ہیں؛ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

قرآن مجید کی عظیم ترین آیت

سورہ نحل کی جو آیت کریمہ اوپر ذکر کی گئی ہے یہ وہ عظیم آیت ہے جس کی تلاوت جمعہ کے ہر خطبے اور عیدین کے خطبوں میں کی جاتی ہے اور یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ اصاغر صحابہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت جو صحابہ کم عمر تھے انھیں اصاغر صحابہ کہا جاتا ہے) کے زمانے سے ہی یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جنھیں ان کے عدل وانصاف کی وجہ سے عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے خطباء اور گورنروں کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ اس آیت کریمہ کو جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں شامل کرلیا جائے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ وہ عظیم آیت ہے جس کے اندر اصلاح عالم کے لیے قرآنِ مجید کا ایک پروگرام بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس پر عمل کرلیا جائے تو انسان کی کامیابی یقینی بن جائے۔

بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اگر اللہ تبارک وتعالی صرف اسی آیت کریمہ کو نازل فرماتے کچھ اور نہ نازل کرتے تو یہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کافی ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رشد وہدایت اور خیر وبھلائی کے پانے کے لیے یہ سب سے جامع ترین آیت ہے(مفاتیح الغیب:۹/ ۶۱۵)

حضرت اکثم بن صیفی کا قبول اسلام

حضرت اکثم بن صیفی اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے، امام اسیر نے حافظ حدیث ابو لیلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوایے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں، آپ کا خود جانا مناسب نہیں، آپ نے کہا کہ اچھا تو قبیلے کے دو آدمی منتخب کر دو وہ جائیں، اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں: من انت وما انت؟ آپ کون ہیں اور آپ کیا ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس کے بعد آپ نے سورہ نحل کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی، دونوں قاصدوں نے درخواست کی یہ جملے پھر سنایئے، آپ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو آیت یاد ہوگئی، قاصد واپس اپنے سردار کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا کہ آپ کا نسب معلوم کر لیں، مگر آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی، صرف باپ کا نام بیان کر دینے پر اکتفا کیا مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب والے ہیں، اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد صلی اللّٰی علیہ وسلم نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں، ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائیں، آیت سنتے ہی اکثم نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں سب ان کے دین میں داخل ہو جاؤ، تاکہ دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو(ابن کثیر)

اس آیت کریمہ کی تاثیر یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابھی سردار اکثم ابن صیفی کی ملاقات نہیں ہوئی لیکن اس آیت کو سن کر خود انہوں نے پورے قبیلے کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرما شرمی میں اسلام قبول کر لیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا، یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اچانک آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے، اور پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی،

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میرے دل میں گھر کر گئی (ابن کثیر)

جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے

اوروں کو تو چھوڑیے ولید بن مغیرہ جیسا سخت سنگدل انسان جو قوم کا نمائندہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانے آیا تھا اور اس نے آپ کو اپنے عظیم مشن سے باز رکھنے کے لیے تحریص و ترغیب کا ہر حربہ آزمایا تھا، جب اس کے سامنے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو اس نے قوم کے سامنے جا کر اس کلام کے بارے میں جو اپنے تاثرات بیان کیے تھے وہ سننے کے قابل ہیں کیونکہ جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے، کمال وہ ہوتا ہے جس کا دشمن بھی اقرار کرے، اس نے کہا تھا: **واللہ ان له لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اصله لمغدق وان اعلاه لمثمر وما هو بقول بشر**، اللہ کی قسم اس میں ایک خاص قسم کی حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

آیت کریمہ کی مختصر تشریح

اس میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے: عدل، احسان اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک، عربی زبان میں عدل کے معنی ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھنے کے ہیں، گویا عدل یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے، وہ اس کو ادا کر دیا جائے، اس میں کمی نہ کی جائے، اس کے مقابلہ میں عربی زبان میں 'ظلم' کا لفظ آتا ہے، جس کا معنی کسی چیز کو اپنے صحیح موقع و محل پر نہ رکھنے کے ہیں؛ لہٰذا صرف اللہ کے سامنے سر جھکانا عدل ہے؛ کیوں کہ عبادت کا صحیح محل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننا ظلم ہے، خدا کے سوا کوئی اس بات کا محل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے، اسی طرح شوہر و بیوی، والدین و اولاد، قرابت دار اور پڑوسی، سماج کے ضرورت مند لوگ، اگر ان کو ان کا حق دے دیا جائے تو یہ عدل ہوگا، اگر انسان دوسرے کا حق لے لے یا اس کو اس کے حق سے کم دینا چاہے تو یہ ظلم ہے، اس طرح غور کریں تو انسان کی پوری زندگی عدل اور ظلم کے درمیان ہے، اگر وہ قرآن و حدیث کی ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اور اللہ کے دوسرے بندوں کے حقوق ادا کر رہا ہے تو وہ عدل پر قائم ہے اور اگر حق تلفی کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ ظلم کے راستے پر ہے، تیسرا طریقہ وہ ہے جسے اس آیت میں 'احسان' کہا گیا ہے، عدل ان چیزوں پر عمل کرنا ہے جو انسان پر واجب ہے اور احسان اس سے آگے بڑھ کر مستحب اور مستحسن طریقہ کو اختیار کرنا ہے، جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا: '**العدل الانصاف والاحسان التفضل**' (تفسیر قرطبی) لہٰذا اپنا حصہ حق سے کم لینا اور دوسرے کو اس کے حصہ سے بڑھ کر دینا ''احسان'' ہے، کسی عبادت کو اس کی ظاہری کیفیت کے ساتھ ادا کر دینا، جیسے نماز میں قیام، رُکوع، سجدہ وغیرہ عدل ہے کہ اس سے نماز درست ہو جاتی ہے اور نماز میں خشوع و خضوع کو قائم رکھنا، اس بات کے استحضار کو برقرار رکھنا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہے ہیں 'احسان' ہے، پس احسان کا تعلق بھی زندگی کے تمام مسائل سے ہے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی قتل کا مستحق ہو

اور اسے قتل کرو تو وہ بھی 'احسان' کے ساتھ، یعنی بہتر طریقہ پر، کہ اسے تکلیف پہنچا پہنچا کر قتل نہ کیا جائے، اور اگر کسی جانور کو ذبح کرنا ہو تو وہ بھی احسان کے ساتھ، یعنی اس طور پر کہ کم سے کم تکلیف پہنچے،''ان اللّٰہ کتب الاحسان علی کل شئ الخ''(مسلم، کتاب الصید والدبائح، باب الامر باحسان الذبح والقتل: ۵۱۶۷) انسان کو اختلاف کی نوبت زیادہ تر قرابت داروں کے ساتھ آتی ہے اور اکثر ان ہی کے ساتھ مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے؛ اس لئے خاص طور پر قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ۔۔۔ اس آیت میں تین باتوں سے منع فرمایا گیا ہے، ان تینوں کا ماحصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے؛ لیکن نوعیت کا تھوڑا سا فرق ملحوظ ہے، فحشاء کے معنی ایسے گناہوں کے ہیں، جن میں بے حیائی کا پہلو بھی ہو، جیسے: زنا، خواہ آپسی رضامندی سے ہو یا جبر و اکراہ کے ساتھ، ہم جنسی، عریانیت، فحش لٹریچر، بے حیائی پر مبنی فلمیں اور اشتہار، ڈرامے اور غزلیں، مخرب اخلاق گانے وغیرہ، سب اس میں شامل ہیں ۔۔۔''بَغی'' سے مراد ظلم، دوسرے کے ساتھ زیادتی اور تکبر وغیرہ ہے، یعنی وہ گناہ جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے حقوق سے ہے ۔۔۔ اور 'مُنکَر' میں وہ تمام باتیں شامل ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۶۷) یہ آیت گویا ایک مسلمان کی زندگی کے لئے بنیادی ہدایت نامہ ہے، جس میں تمام نیکیوں اور گناہوں کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب)

عدل وانصاف

عدل قرآن کریم کی اصطلاح ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَان (سورۃ النحل: ۹۰) کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں بھی ایک اسم ''عادل'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ عدل کرنے والے ہیں، اور جناب نبی کریم ﷺ کے اسماء میں بھی ایک اسم ''عادل'' ہے یعنی رسول اللہ ﷺ بھی عدل کے پیکر تھے، عدل کرنے والے تھے۔

ہر چیز کا حق ادا کرنے کو عدل کہتے ہیں، عدل کے مقابلے میں ظلم کا لفظ آتا ہے، ظلم کہتے ہیں کسی کے ساتھ ناحق سلوک کرنے کو، کسی کے حق کو ضبط کرنا یا کسی کا حق دوسرے کو دے دینا، لغوی اصطلاح میں **وضع الشئی فی غیر محلہ** ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے بجائے کسی دوسری جگہ پر رکھنا، اسی طرح ہر چیز کو اس کی اصل جگہ پر رکھنے کو عدل کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عادل ہیں، جناب نبی کریم ﷺ عادل ہیں اور ہمیں بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہمیں یہ تلقین کی گئی ہے کہ ہم عدل کریں اور ظلم نہ کریں، جس طرح عدل کا دائرہ بہت وسیع ہے اسی طرح ظلم کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، حقوق کا دائرہ جتنا وسیع ہے عدل وانصاف کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ صفاتِ حمیدہ میں جتنی بھی عمدہ صفات ہیں جناب رسول اللہ ﷺ پوری دنیا میں ان صفات کے سب سے بڑے مظہر ہیں، اسی طرح عدل میں بھی جناب نبی کریم ﷺ مخلوقات میں سب سے بڑے عادل ہیں، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر غنیمت کا بہت زیادہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا، یہ مال بہت قسموں میں تھا جس میں بکریاں، اونٹ، سونا، چاندی اور دیگر بہت سا سامان تھا۔ رسول اللہؐ نے یہ مال مجاہدین میں تقسیم کیا لیکن جو نئے نئے مسلمان ہونے والے عرب قبیلوں کے

سردار تھے ان کو زیادہ دیا، اس میں مصلحت یہ تھی کہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ مانوس کیا جائے کہ یہ اپنے قبیلوں کے سردار تھے اور اسلام کی ظاہری شان وشوکت دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے، اس پر ایک آدمی ذوالخویصرہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ منافقین میں سے تھا اس نے اعتراض کر دیا، اس نے کہا کہ اس تقسیم میں تو عدل کا لحاظ نہیں رکھا گیا، حالانکہ حضور ﷺ نے امت کی ضرورت کے پیش نظر ایک مصلحت کے تحت یہ تقسیم فرمائی تھی، مسلم شریف کی روایت ہے کہ کسی نے ذوالخویصرہ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتادی کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص نے یہ بات کہی ہے، اس پر حضور ﷺ نے ایک جملہ فرمایا من یعدل اذلم اعدل کہ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون عدل کرے گا؟ چنانچہ یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ مخلوقات میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہیں، حضور ﷺ نے عدل اور ظلم کا تقابل بہت وسیع مفہوم میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ عدل

ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ظلم نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عدل کرو اور ظلم نہ کرو، اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون ظلم کرسکتا ہے؟ ہمارے ہاں ظلم کا معنیٰ محدود ہے کیونکہ ہم ظلم کا معنیٰ یہ لیتے ہیں کہ کسی کے ساتھ زیادتی یا ناانصافی کا معاملہ کیا جائے لیکن جناب نبی کریم ﷺ نے اسے وسیع مفہوم میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عدل کیا ہے اس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: ۸۲) کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ ظلم کا التباس نہ ہونے دیا ان کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت پر ہوں گے، یعنی ایمان کے ساتھ اگر ظلم خلط ملط ہوگیا تو پھر امن اور ہدایت نہیں ہے اور اگر ایمان کے ساتھ ظلم کا اختلاط نہیں ہے تو پھر نجات بھی ہے اور ہدایت بھی ہے، مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی قبولیت کی شرط یہ قرار پائی کہ ایمان کے ساتھ ظلم شامل نہ ہونے پائے، اس آیت کریمہ کے متعلق صحابہ کرامؓ پریشان ہوگئے کہ یہ تو بہت سخت شرط ہے، ان کے ذہنوں میں ظلم کا عام مفہوم تھا، وہ یہ سمجھے کہ اس آیت سے گھر کے افراد سے، رشتہ داروں سے، دوست احباب سے اور زندگی کے عام معاملات میں زیادتی اور کمی بیشی مراد ہے، چھوٹی موٹی زیادتی تو انسان سے ہوتی ہی رہتی ہے، صحابہ کرامؓ کو خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر آپس کے حقوق میں کمی بیشی نجات کی شرط قرار پائی ہے تو پھر کسی کا بھی ایمان قبول نہیں ہوگا۔

چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ آپس میں اکٹھے ہوئے اور چہ میگوئیاں ہوئیں، پھر چند صحابہؓ مل کر جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ھلکنا ہم تو مارے گئے، آپ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے متعلق بتایا کہ ایمان کی قبولیت کی بہت سخت شرط لگ گئی ہے، پھر کہا کہ اینا لم یظلم یارسول اللہ کہ یارسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس سے تھوڑی بہت زیادتی نہیں ہوجاتی، انبیاء کرام تو معصوم ہوتے ہیں لیکن عام انسانوں سے معاملات میں کہیں نہ کہیں کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی پریشانی بجا ہے لیکن تم اس آیت کا معنیٰ غلط سمجھے ہو، اس آیت میں ظلم سے مراد وہ

نہیں ہے جو تم سمجھے ہو، اس آیت میں ظلم سے مراد وہ ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورة لقمان: ١٣) کہ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ایک ظلم وہ ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے کرتا ہے لیکن ایک ظلم وہ ہے جو انسان اپنے خالق سے کرے، کسی انسان کا حق مارنا تو ظلم ہے ہی، اللہ تعالی کا حق مارنا اس سے بھی بڑا ظلم ہے، اب اگر اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو شامل نہ ہونے دیا تو ان کا ایمان قبول ہوگا اور وہ ہدایت پر ہوں گے، متقدمین کی پرانی اصطلاح میں توحید کو عدل کہا جاتا ہے، معتزلہ خود کو اہل العدل والتوحید کہتے تھے، توحید کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، حتیٰ کہ بعض فرقے شرک کے وہم سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھی اس کی ذات کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

اپنی ذات کے ساتھ عدل

ہمیں اپنے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرو، بہت سی روایات ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اپنے ساتھ سختی کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا، حضرت سلمان فارسیؓ ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداءؓ کے ہاں مہمان ٹھہرے تو دیکھا کہ ان کے میزبان رات کو حسب ضرورت آرام کرنے اور اپنے گھر والوں کو وقت دینے کے بجائے ساری رات نماز میں کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے ہیں، اس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے ان سے کہا ان لربك عليك حقًا، ولنفسك عليك حقًا، ولأهلك عليك حقًا، (وفي رواية: ولزورك عليك حقًا)، فأعط كل ذي حق حقه (بخاري، رقم ١٩٦٨) کہ تیرے رب کے بھی تجھ پر حق ہیں، تمہارے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، آنے جانے والے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو، حضورؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدق سلمان کہ سلمانؓ نے سچ بات کہی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ارادہ کر لیا کہ ساری زندگی رات کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کروں گا اور ساری زندگی روزانہ ایک قرآن کریم پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ یہ اپنے اوپر ظلم ہے، تمہارے بدن کا تجھ پر حق ہے کہ اسے خوراک اور آرام دو، اور تمہاری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے کہ اسے نیند دو۔ چنانچہ اپنے ساتھ بھی انصاف کا حکم دیا گیا۔

اہل خانہ کے ساتھ عدل

گھر کے ماحول میں عدل کا حکم دیا گیا ہے، خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے گھر میں عدل برقرار رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیک وقت ۹ بیویاں تھیں جن کے حقوق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برابری کی، طبعی اُنس انسان کے اختیار میں نہیں ہے، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ یہ معاملہ میرے اختیار میں نہیں ہے تو وہاں فرمادیا اللّٰھم هذا قسمي فيما املك فلا تواخذني فيما لا

أملك کہ اے اللہ! اپنی استطاعت کی حد تک میں برابر تقسیم کرتا ہوں، اس لیے جو بات میرے بس میں نہیں ہے اس میں میرا مواخذہ نہ کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طبعی تعلق حضرت عائشہؓ سے زیادہ تھا لیکن ظاہری معاملات کی تقسیم تمام ازواج کے ساتھ برابر کی تھی، حتیٰ کہ جہاں ضرورت محسوس ہوتی وہاں اجازت لیتے تھے، عام ایام میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج کے گھروں میں رات گزارنے کی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں لیکن زندگی کے آخری ایام میں جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو یہ معمول قابل عمل نہ رہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی جگہ اپنی بیماری کا وقت گزارنا چاہتے ہیں، انتظامی طور پر تو مشکل تھا ہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت کا بھی تقاضا تھا کہ ایک ہی جگہ بیماری کے ایام گزاروں جو کہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا۔ چنانچہ تمام ازواج اکٹھی ہوئیں آپس میں مشورہ کیا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اجازت دی کہ یا رسول اللہ! ہم اپنی باریوں کے دنوں سے دستبردار ہوتی ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی گھر میں اطمینان سے یہ وقت گزار سکیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری ایام بیماری کی حالت میں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گزارے، حتیٰ کہ حضورؐ دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! جو میرے اختیار میں ہے ان میں تو میں برابر تقسیم کرتا ہوں لیکن جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے، جیسے طبعی میلان، یا اللہ! مجھ سے اس کے بارے میں مواخذہ نہ کرنا۔

قرآن کریم نے جہاں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے وہاں ایک شرط بھی لگائی ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (سورۃ النساء: ۳) کہ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح کرو، یعنی اگر دو شادیاں کر سکتے ہو تو کرو، تین شادیاں کر سکتے ہو تو کرو، حد یہ ہے کہ چار تک شادیاں کر سکتے ہو لیکن عدل اس کی شرط ہے، عدل کا معنیٰ ہے تمام معاملات میں برابری کرنا، ہر بیوی کو اس کا پورا حق ادا کرنا اور کسی کو ترجیح نہ دینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو معلق کر دیا یعنی اس کے حقوق ادا کرنے بند کر دیے تو قیامت کے دن اس کے جسم کا ایک حصہ مفلوج ہوگا، حقوق کا معاملہ صرف ازدواجی تعلقات نہیں ہیں بلکہ اس میں روزمرہ زندگی کے باقی حقوق بھی شامل ہیں، مثلاً خرچے میں اور کھانے پینے میں کمی بیشی کر دی کہ ایک بیوی کو بہتر دیا اور دوسری کو اس کے برابر نہیں دیا، یا پھر رہائش میں کمی بیشی کر دی کہ ایک کو تو اچھی رہائش دی لیکن دوسری کو اس معیار کی رہائش نہیں دی، یا عزت و توہین کے معاملات میں ایک کی عزت و وقار کا لحاظ ہے اور دوسری سے بے پرواہی ہے، غرض یہ کہ حقوق میں روزمرہ زندگی کی تمام ضروریات شامل ہیں، قرآن کریم نے بھی یہی شرط لگائی کہ اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک بیوی تک ہی محدود رہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت اس صورت میں ہے جب ایک آدمی سب بیویوں کے حقوق برابر ادا کر سکے، اگر آدمی یہ محسوس کرے کہ اس سے انصاف کا معاملہ نہیں ہوگا تو پھر ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں ہے، یہ میاں بیوی کے معاملے میں قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے کہ اتنا ہی معاملہ اپنے ذمے لو جتنا بخوبی نبھا سکتے ہو۔

اولاد کے معاملے میں بھی عدل کا حکم دیا گیا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری اولاد میں سے ایک لڑکا ایک بیوی سے ہے جبکہ باقی دوسری بیویوں سے ہیں، میری بیوی تقاضا کر رہی ہے کہ میں اپنی جائیداد میں سے اپنے اس بیٹے کو حصہ دوں، میں اسے حصہ دینے پر تیار ہوں لیکن اس پر میں آپ ﷺ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں، حضور ﷺ نے پوچھا، کیا تم نے باقی بیٹوں کو بھی جائیداد میں سے حصہ دیا ہے؟ اس نے کہا، یا رسول اللہ نہیں، حضورؐ نے فرمایا، ظلم پر مجھے گواہ مت بناؤ، چنانچہ اپنے بچوں کے ساتھ بھی انصاف کا حکم دیا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اپنی جان کے ساتھ، اپنے گھر کے ساتھ، سوسائٹی کے ساتھ، جس کا جو حق ہے وہ اسے ادا کرو، عدل اسی کا نام ہے۔ اگر کہیں حق تلفی ہوگی تو یہ ظلم شمار ہوگا۔

قانون کی نظر میں برابری

آج کے حالات میں ایک بات کا چرچا عام ہے کہ قانون کی نظر میں سب کے حقوق میں برابری ہونی چاہیے، یہ بات بھی عدل کے تقاضوں میں سے ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے، بخاری شریف کی روایت کے مطابق قانون کی نظر میں سب کے برابر نہ ہونے کو سوسائٹی کی تباہی اور بربادی کا سبب بتایا گیا ہے، ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک جوڑا بدکاری میں پکڑا گیا، یہودی مقدمہ لے کر حضور ﷺ کی عدالت میں آئے، جوڑا گرفتار تھا اور ان پر بدکاری کا جرم ثابت ہو گیا، آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا، یہ بتاؤ کہ تمہارے ہاں اِس جرم کی سزا کیا ہے؟ تم یہودی ہو اور ایک شریعت کو مانتے ہو تمہارے ہاں بھی ایک قانون اور ضابطہ ہے، انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں اس جرم کی سزا یہ ہے کہ دونوں کے منہ کالے کیے جائیں اور گدھے پر بٹھا کر پورے شہر کا چکر لگایا جائے اور ساتھ مار پٹائی بھی کی جائے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہودی علماء میں سے تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے، حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تورات میں اس جرم کی سزا یہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ غلط بیانی کر رہے ہیں کیونکہ تورات میں یہ سزا نہیں ہے بلکہ یہ سزا انہوں نے خود گھڑ لی ہے، تورات میں رجم یعنی سنگسار کی سزا ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے اصرار کیا کہ تورات میں یہی لکھا ہوا ہے جو ہم نے بتایا ہے تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تورات لے کر آؤ، چنانچہ مجلس میں تورات لائی گئی اور یہودی عالم سے کہا گیا کہ اس جرم کی سزا پڑھ کر سناؤ، اس نے اس سزا کے متعلق آیتیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان کی آیت چھوڑ دی، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کی خیانت پکڑ لی اور کہا یا عدو اللہ! اقرأ هذا کہ اللہ کے دشمن یہ بھی تو پڑھ یہ کیا لکھا ہوا ہے۔، یہاں حضرت عبداللہؓ بن سلام نے بتایا کہ یا رسول اللہ! تورات میں اس جرم کی اصل سزا تو رجم ہی تھی لیکن جوں جوں زمانہ بدلا یہودی علماء نے اس سزا کے اطلاق میں خیانت کرنا شروع کر دی کہ جب کوئی غریب آدمی اس جرم میں پکڑا جاتا تو اسے سنگسار کر دیتے لیکن کوئی امیر اور صاحب ثروت آدمی پکڑا جاتا تو اس کو نرم سی سزا دے کر خانہ پری کر دیتے۔

تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بتایا کہ یہودیوں کا یہ طرز عمل تھا کہ عام آدمی کو تو اصل سزا دیتے لیکن اثر ورسوخ والے کی سزا میں ترمیم کر دیتے، یہاں نبی کریم ﷺ نے ایک بات فرمائی جو کہ کسی بھی معاشرے میں انصاف کی بنیاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

کہ جب کسی قوم میں یہ بات آجائے کہ عام آدمی جرم کرے تو سزا مختلف ہو اور کوئی بڑا آدمی جرم کرے تو سزا مختلف ہو، پھر اس قوم کو تباہی سے کوئی نہیں روک سکتا۔ ایسی قوم کی تباہی کا آغاز ہی یہیں سے ہوتا ہے کہ قانون کی نظر میں اونچ نیچ آجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عدل

اس معاملہ میں خود جناب نبی کریمؐ کی سنت مبارکہ کیا تھی؟ مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے صحابہ کرامؓ کی مجلس لگی ہوئی تھی، ایک صحابیؓ آکر بیٹھے جنہوں نے جسم پر صرف ایک ہی چادر باندھی ہوئی تھی اور ان کی پشت ننگی تھی، اس زمانے میں دو چادریں کم ہی لوگوں کو میسر ہوتی تھیں، زیادہ تر لوگوں کے پاس جسم ڈھانپنے کے لیے صرف ایک ہی چادر ہوا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے بے تکلفی سے ان صحابیؓ کی ننگی پشت پر چھڑی مار دی، حضورؐ کا ہاتھ ذرا سخت لگ گیا اور صحابیؓ کی پشت پر خراشیں آگئیں، صحابیؓ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھے چھڑی ماری ہے میں تو اس کا بدلہ لوں گا، آج کے زمانے میں تو سربراہ مملکت کو عدالت میں ویسے بھی نہیں طلب کیا جا سکتا اور جہاں طلب کیا جا سکتا ہے وہاں بھی حکومتی اثر ورسوخ عدالتی کاروائی میں آڑے آجاتا ہے، دنیا بھر میں یہ بات عام ہے کہ بادشاہ ہو یا سربراہِ مملکت جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا ہے عدالت میں طلبی سے مستثنیٰ ہوتا ہے، چنانچہ ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بھی کہی جا سکتی تھی کہ بھئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلے کا حق مانگنے کی یہ جسارت تم نے کیسے کی! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا وی آئی پی اس دنیا میں کون ہوگا؟ لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی کے مطالبے پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھڑی ان صحابی کے ہاتھ میں دے کر اپنی کمر سامنے کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کوئی عذر پیش نہیں کیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میں حاکمِ وقت ہوں اس لیے کوئی مجھ سے بدلہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتا، حالانکہ کوئی بات بھی امتیاز کی ایسی نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں تھی، ان صاحب نے چھڑی پکڑی اور کہا کہ یا رسول اللہ! بدلہ برابر نہیں ہے اس لیے کہ آپ نے میری ننگی پشت پر چھڑی ماری ہے جبکہ آپ نے کرتا پہن رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے اپنا کرتا اتاریے، ہم تو آج کے ماحول میں اپنے پیر و مرشد کے لیے، اپنے استاد کے لیے ایسی بات برداشت نہیں کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے کرتا اتارا اور کمر سامنے کر دی، ان صحابیؓ نے چھڑی پھینکی اور حضورؐ سے لپٹ گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! وہ ہاتھ ٹوٹ نہ جائیں جو آپ پر اٹھیں، میں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے جسم سے جسم ملانے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا، لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل کا تقاضا پورا کیا اور یہ تصور دیا کہ قانون کی نظر میں انصاف سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوری کے ایک مقدمہ میں فاطمہ مخزومیہ کے حوالے سے فرمایا کہ کیا تم ایک عورت کی اس لیے سفارش کرتے ہو کہ وہ بڑے خاندان کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا، اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا خاندان کس کا ہو سکتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جرم کی سزا یکساں ہے چاہے کسی بڑے خاندان کا فرد جرم کرے یا کسی چھوٹے خاندان کا، معاشرے میں عدل قائم ہوگا تو مساوات کا ماحول پیدا ہوگا۔

انبیاء کرامؑ کے ساتھ عدل

یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے درجات میں ترجیحات رکھی ہیں، قرآن کریم میں ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (سورۃ البقرہ: ۲۵۳) کہ یہ رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرامؑ میں سب سے افضل جناب نبی کریمؐ کی ذات گرامی ہے، پھر دیگر بڑے انبیاء جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت نوحؑ اور ان کے بعد دوسرے انبیاء و رسول ہیں، لیکن یہ درجہ بندی ترازو پر تولنے کے لیے نہیں ہے کہ یہ دیکھنا شروع کر دیا جائے کہ کون انیس ہے اور کون بیس ہے۔ بسا اوقات ہم ایسا کر دیتے ہیں لیکن ایسے موازنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق دو واقعات بخاری شریف میں آتے ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ دو ساتھیوں میں انبیاء کرام کے متعلق کچھ اس طرح گفتگو ہو رہی تھی کہ فلاں موقع پر حضرت یونسؑ تھے اس لیے ایسا ہوا اگر ہمارے پیغمبر ہوتے تو معاملہ یوں نہ ہوتا بلکہ مختلف ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پتہ چلی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا لا تفضلونی علی یونس ابن متیٰ کہ مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو، یعنی آپ نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر اس طرح تقابل کر کے فضیلت مت دو کہ یہ بات فلاں نبی میں نہیں تھی لیکن رسول اللہ میں ہے، ایک ہے ترجیح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ سب انبیاء سے افضل ہے لیکن ایک ہے تقابل کہ آمنے سامنے رکھ کر موازنہ کیا جائے کہ یہ بات فلاں نبی میں نہیں تھی جبکہ فلاں نبی میں تھی، کیونکہ جس نبی کے بارے میں یہ بات کہیں گے کہ اس میں فلاں صفت نہیں تھی، اس سے اہانت کا پہلو سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی نبیؑ کے بارے میں اہانت کا کوئی پہلو بھی ہو اس سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے ایک واقعہ مسلم شریف میں ہے، ایک زمانے میں مدینہ منورہ میں یہودی بھی رہتے تھے اور مسلمان بھی، ایک یہودی اور مسلمان بازار میں آپس میں جھگڑ پڑے، دونوں آپس میں کوئی سودا کر رہے تھے کہ یہودی نے یہ کہہ کر قسم اٹھائی والذی فضل موسیٰ علی الانبیاء کہ اس پروردگار کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ کو سارے انبیاء پر فضیلت دی۔ مسلمان کو اس بات پر غصہ آیا کہ اس یہودی نے حضرت موسیٰؑ کو ہمارے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل کہا ہے، اس نے یہودی کو تھپڑ مار دیا، مسلمان نے کہا کہ انبیاء پر فضیلت تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، اس پر یہودی استغاثہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا یا محمد! آپ کے ساتھی نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیوں تھپڑ مارا ہے؟ اس نے معاملہ بتایا تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھی سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تقابل کی فضا قائم کر کے ہم انبیاء کا موازنہ مت کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی عدل کا تقاضا قرار دیا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ حق کے تعین میں کسی کے ساتھ زیادتی مت کرو، قرآن وحدیث میں عدل کے سینکڑوں پہلو بیان ہوئے ہیں جن میں سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے چند ایک پہلو یہاں ذکر کر دیے ہیں۔

(عدل و انصاف اور سیرت نبوی، از: مولانا زاہد الراشدی)

قرآن اور عدل

عدل کی وجہ سے دنیا جنت کا منظر پیش کرتی ہے اور ظلم کی وجہ سے یہ دنیا جہنم بن جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر آج ہم اسلام کے نظام عدل کو اس کے اصل شکل وصورت اور اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ نافذ کردیں تو سسکتی تڑپتی انسانیت خود بخود اسلام کے دامن میں آجائے، لوگ عدالتی گورکھ دھندوں اور حکمرانوں کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مظلوم انسانیت کے سامنے قران کریم کی انقلابی تعلیمات کو پیش کریں اور انھیں قرآن کریم کے مطالعہ کی دعوت دیں، قرآن نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے جو عادلانہ نظام پیش کیا ہے اور جس قدر عدل کی تلقین کی ہے اس کی مثال کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء:۱۳۵) اے مسلمانو! تم لوگ انصاف قائم کرنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، گواپنے آپ کے یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو، (جس کے خلاف گواہی دے رہے ہو) وہ مالدار ہو یا غریب؛ کیوں کہ اللہ ہی ان دونوں کے زیادہ خیر خواہ ہیں، پس تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ انصاف سے ہٹ جاؤ اور اگر سخن سازی یا پہلو تہی کروگے تو اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۸) اے ایمان والو! اللہ کا حق ادا کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے رہو، کسی قوم کی دشمنی تم کو ناانصافی پر آمادہ نہ کردے، انصاف کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر (طریقہ) ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام:۱۵۲) اور جب بات کرو تو انصاف سے کام لو، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:۵۸) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

نوٹ: اس مواد کو تیار کرنے میں مختلف اہل علم کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے اور اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔